گوہرِ حیات اور اس کے حصول کا بہترین ذریعہ

ایک مفکرانہ اور داعیانہ تجزیہ

(ڈاکٹر سید مسعود احمد لیکچرر شعبۂ کیمسٹری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

قسط نمبر (۲)

یہ بھی قابلِ فہم وشعور ہے کہ خالقِ کائنات کوئی انسان تو کم از کم نہیں ہو سکتا۔ اور جب فاطرِ کائنات انسان نہیں ہو سکتا تو پھر یہی امکان ہے کہ وہ ان کو (انسان کو) کسی دوسرے طریقوں سے پہنچائے۔ (To convey communicate) سائنس کی رو سے اس علم کو پہنچانے کا بہترین طریقہ کار لطیف اشاروں ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ہر انسان کا کام اور اس کی ذمّہ داری ہے کہ فاطرِ فطرت کے لطیف اشاروں کی جستجو اور ان کی تحقیق کرے۔

اب آئیے کمالِ بندگی کے مفہوم پر بھی غور کریں۔ بندگی اپنی کم مائیگی کے جبلی وفطری احساس سے عبارت ہے۔ اور اس میں انسان اپنے نفس کی نفی کرکے اپنے مالک وآقا کے تئیں اظہارِ خشیت وتذلّل کرتا ہے۔ لہٰذا بندگی میں دو پہلو ہیں اوّلاً اپنے نفس کے تقاضوں کو مؤخر کرنا۔ ثانیاً کسی ہستی کے حضور خشیت، تذلل اور مسکنت کا اظہار کرنا۔

لہٰذا بندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے فطری تقاضوں کو مؤخر کرکے دوسرے موجودات خصوصاً انسانوں کے ارتقاء وبقاء کا سامان فراہم کرے۔ ان کے لیے مخلصانہ ہمدردیاں اپنی زبان وعمل سے پیش کرے۔ ان کی پریشانیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے۔ وہ اگر غلط راستہ پر جا رہے ہیں جس کا انجام ان کی بقا وارتقاء کے لیے خطرناک ہے تو ان کو سیدھے راستہ پر ڈال دینے کی

جدوجہد کرنے۔ اُن کے کام آنے میں اپنی عزت و فلاح سمجھے۔ اور جب اس کو دنیا میں امن واماں برپا کرنے کی جدوجہد میں لطف وسرور محسوس ہونے لگے اور یہ صفات مستقل طور پر موجود رہیں تو یہ درجہ کمالِ بندگی کا ہے۔

مگر اس درجہ کو پانے کے لیے محض زبانی باتوں اور بغیر بیرونی واندرونی محرکات کے کام نہیں چل سکتا۔ تحریر وتقریر اور علم وعقل سے آگے بڑھ کر جب انسان عملی طور پر اس مہم کو سر کرنے چلتا ہے تو نفس وشیطان اور گمراہ کن ماحول اس کو فوراً روک دیتے ہیں۔ اس پر طنز واستہزا اور اس کے بیوقوف ہونے کے الزام لگائے جاتے ہیں۔ اس کے خانگی مسائل اور ذاتی تقاضے آڑے آتے ہیں۔ لہٰذا ان اندرونی اور بیرونی رکاوٹوں سے نبرد آزمائی کے دو طریقے ہیں یعنی اندرونی اور بیرونی دفاع۔

اندرونی محرکات یعنی نفس کو مغلوب کرنے کا ایک راستہ ہے کہ روح کو قوی کیا جائے (نفسیاتی زبان میں قوت ارادہ وعمل کو قوی کیا جائے) روحانی ریاضتیں اور ارکان روحانی غذا فراہم کرنے اور اس کو تقویت دینے کے لیے بہترین طریقہائے کار ہیں۔

بیرونی محرکات پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے، قوت ارادہ وعمل اور عزم وحوصلہ میں پختگی ضروری تو ہے مگر کافی نہیں۔ اس کے لیے کسی بیرونی محرک عمل کی تلاش بھی ناگزیر ہے۔ ورنہ نہ صرف روحانی ریاضتوں میں دوام وقیام محال ہے بلکہ بیرونی دباؤ کے خلاف مستحکم اور پائدار دفاع بھی ناممکن ہے۔

اس لیے بیرونی دباؤ (شیطان اور گمراہ کن ماحول) کے خلاف مستحکم اور پائدار دفاع کے لیے اور اندرونی خواہشات نفس کو دبانے کے لیے نیز ان روحانی ریاضتوں وارکان کے دوام کے لیے کوئی قوتِ نافذہ اور قوتِ قاہرہ (Sonctioning authority) کو ماننا ضروری ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس ہستی وقوت کے یقینِ کامل سے انسان کی صفتِ بندگی بھی مطمئن (Satisfy) ہوجاتی ہے۔ کیونکہ انسان جب پریشان ہوتا ہے اور اس کی

بقاء وارتقاء کی تمام امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں تو وہ نفسیاتی طور پر ایک ایسی ہستی کی شدید ضرورت محسوس کرتا ہے جس کے حضور اپنی پریشانیوں کا اظہار کرکے اپنا غم غلط کرے اور اپنا دماغی وذہنی بوجھ ہلکا کرے، یعنی سکون قلب پاسکے۔ مزید برآں اس کائنات کی پیچیدگی اور نظم کو معلوم کرکے اور اپنے وجود کی خامی وخوبیوں کو جان کر انسان کے عقل ووجدان کا تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ خالق کائنات اور اپنے خالق ومالک کے حضور اظہارِ تشکر اور اظہار خشیت وتذلّل کے ذریعہ روحانی تسکین حاصل کرے یعنی نفسیاتی طور پر سکونِ قلب سے ہمکنار ہوسکے۔

کمالِ بندگی کے حصول کے لیے مثالی دین کی خصوصیات

الہامی مذاہب میں خدا کے وجود کا عقیدہ اس قوت نافذہ اور قوت قاہرہ بلکہ اُس سے بھی آگے بڑھ کر منبعِ رحمت اور ہستیٔ کاملہ تک کا کام کرتا ہے۔ اُس خدا کا جتنا جامع وکامل اور بہترین تصور کوئی مذہب پیش کرتا ہے اتنی ہی پائدار کمالِ بندگی سے ہمکنار کراسکتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے بڑے حاکم کے سامنے محکوم انسان میں صنعت خشیت وانکساری کا ظہور آسانی سے ہوتا ہے جب کہ نسبتاً چھوٹے حاکم کے سامنے اتنی انکساری پیدا نہیں ہوپاتی۔

کمالِ تقویٰ کے حصول کے لیے اُس مذہب میں چند دیگر خصوصیات مزید تحریک وسرعت کی باعث ہوسکتی ہیں۔ اوّلاً انسان حریص واقع ہوا ہے اور ہر فعل کے مثبت نتیجہ کا وہ خواہاں ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اچھے فعل پر اس کو اچھے نتیجہ (اجر وثواب) کی امید ہو یعنی وہ مذہب اس کو بہترین اجر وثواب کی بشارت دیتا ہو۔ دوسرے انسان سہولت پسند واقع ہوا ہے اس لیے آسان راستہ اختیار کرنے کی طرف مائل رہتا ہے چاہے وہ نقصان دہ کیوں نہ ہو اس نقصان سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس نقصان سے بڑا نقصان یعنی سزا وعذاب اس کے سامنے قلب میں مستحضر رہے۔ تیسرے وہ تاویل پسند اور اپنے ضمیر کو غلط طریقوں سے مطمئن کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لیے اس کے سامنے ایک ایسا علم ہو جو اس کی بے جا تاویلات سے روک سکے اور ایک ایسی ہستی کا یقین ہو جو اس کو ہر وقت اور ہر حال میں دیکھتی ہو بلکہ اس کی بے جا

تادیل پر گرفت بھی کر سکے۔ چوتھے انسان عجلت پسند واقع ہوا ہے اس لیے چاہتا ہے کہ جلد از منزلِ مقصود کو پہنچ جائے اور اس طرح شارٹ کٹ (Shortcut) اختیار کر کے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی طرح سیکڑوں لوگوں کے امن و امان کو پامال کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ مذہب انفرادی مفاد سے زیادہ اور غالب اجتماعی مفاد اور امن و امان پر زور دیتا ہو۔ پانچویں انسان تھڑ دلا یعنی بزدل و کم ہمت واقع ہوا ہے اور غلطی کرنے پر جرأت کے ساتھ اس نقصان کی تلافی کے بجائے ہمت ہار بیٹھتا ہے لہٰذا اس مذہب میں اعترافِ جرم کے بعد نیک ارادہ و عزم اختیار کرنے پر حاکم مطلق کی حیثیت سے کوئی شفیق و مربّی ذات اس کو اپنی آغوشِ شفقت و رحمت میں لینے کو تیار رہے اور اس مجرم کی حقیقی توبہ پر اس کو پاک و صاف تسلیم کرے۔ چھٹے انسان میں محبت و عشق کا داعیہ ہے اور اس داعیہ کو بروئے کار لانے کے لیے وہ دوسرے نازیبا ذرائع سے اپنی زندگی کو ضائع کرتا ہے اس لیے اس مذہب کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خالقِ حقیقی سے سچّی محبت کو اولیت دے نیز اس مقصد حقیقی سے عشق پیدا کرادے جس کے ذریعہ پائدار امن و امان کی راہیں استوار ہوں بالفاظِ دیگر وہ مذہب، خالقِ کائنات کی صفات ربوبیت، شفقت اور رحمت کو تمام مخلوقات کے لیے یکساں ثابت کر دے۔ اس کی مخلوق کو گزند پہنچانا محبوبِ حقیقی سے رشتۂ تعلق اور قرب کو توڑنے کے مترادف مانا جائے۔ ساتویں انسان حریت پسند ہے اور آزاد رہنا چاہتا ہے مگر اپنے حقِ آزادی میں مبالغہ سے کام لے کر دوسرے لوگوں کی حرّیت پر ڈاکہ بھی ڈال سکتا ہے لہٰذا ایسی بے لگام آزادی کے بجائے وہ مذہب، وحدتِ انسانیت اور مساواتِ انسانی کی رعایت رکھتے ہوئے جملہ انسانوں کی حریت فکر و عمل کی ضمانت دے۔ آٹھویں انفرادی طور سے انسانی خصوصیات کی رعایت کے ساتھ ساتھ، اجتماعی ترقی کے حصول کی ضمانت دیتا ہو خصوصاً معاشرتی ترقی کے لیے ناگزیر قدریں مثلاً ہمدردی، غم گساری، محبت و شفقت، عدل و انصاف کا علمبردار ہو۔ نویں اس مذہب کا یہ طرۂ امتیاز ہو کہ وہ ہر فرد کی بقاء و ارتقاء کی یکساں

ضمانت دیتا ہو اور ہر وہ شخص عظیم مجرم قرار پاتا ہو جو کسی دوسرے شخص کے سکون وچین پر حملہ کرے یا اپنے سکون کے لیے دوسرے لوگوں کی پریشانی کا سبب بنے۔ دسویں خدمتِ خلق، حقوق العباد اور مساواتِ انسانی کا علمبردار ہو۔

اگر ان تمام صفاتِ انسانی کو مطمئن کرتے ہوئے ایسے متوازن اصول ہوں جن میں اولیت معاشرتی امن و امان کو دی گئی ہو تو کمالِ بندگی کی منزل اور متقیانہ زندگی کی معراج بہت ہی آسان ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ صفات پائدار سکون قلب کے حصول میں اور عالمی امن وامان کی استواری میں مثبت تحریک بخشتی ہیں۔

یہ ذریعہ سکون انسانی جسم و روح پر گراں بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے کام میں اتنی روحانی لذت اور خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس کو باطلانہ ماحول کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کا ذہن بھی خلجان میں مبتلا نہیں ہوتا کہ وہ تو سب کا حق ادا کر رہا ہے اور دنیا اس کے نتیجہ میں اسے کیا دے رہی ہے۔ اس کی محنت و مشقت کا زاویہ نظر ہی بدل جاتا ہے۔ اس کو انسانوں کا خوف نہیں رہتا۔ جیتا ہے تو پرسکون حالت میں اور مرتا ہے تو بغیر کسی فکر و تردد کے۔ چور اور لٹیرے اگر اس کے مال و دولت کو لوٹ بھی لیتے ہیں تب بھی اس کا دل نہیں بیٹھتا اور وہ پریشان نہیں ہوتا کیونکہ اس نے مال و دولت کو اپنے لیے کمایا ہی کب تھا اور وہ ہر حال میں راضی برضائے مالک حقیقی رہتا ہے متقی شخص اپنے احسانوں کا بدلہ دنیا والوں سے نہیں چاہتا وہ تو اس کا بدلہ اپنے خالق و مالک سے لینے کا متمنی ہوتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ اجر کی تمنّا بھی مالک حقیقی کی رضا جوئی پر مغلوب ہو جائے۔ یعنی اس کا مقصدِ زندگی معبودِ حقیقی کی مکمّل بندگی ہو جس کے پیچھے صرف یہ داعیہ ہو کہ خالقِ کائنات مجھ سے راضی ہو جائے۔

متقیانہ زندگی کی معراج کے حصول پر اور کمالِ بندگی کی منزل تک پہنچ کر انسان اس لیے بھی مستقل سکونِ قلب سے متمتع ہوتا ہے کیونکہ وہ دنیا سے ورا حقیقتوں کو

اپنی نظرِ بصیرت سے دیکھنے لگتا ہے۔ اور جب یہ علم الیقین، عین الیقین کی سرحدوں کو چھو لیتا ہے تو وہ نفسِ مطمئن، سرتاپا اور ہمہ وقتی سکون وچین سے بھی ہمکنار ہو جاتا ہے۔ درحقیقت یہی متقیانہ زندگی کی معراج اور کمالِ بندگی کی دنیوی کسوٹی بھی ہے۔

ان تمام خصوصیات کے علاوہ جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہیں، ایک سب سے اہم پہلو اس ذریعۂ سکون کا یہ ہے کہ طریقہ نہ صرف اجتماعی امن وامان کی راہ میں حائل نہیں ہوتا، نہ صرف امن وامان کے لیے راہ ہموار کرنے کا سبب بنتا ہے بلکہ سب سے آگے بڑھ کر اس ذریعۂ سکون کا حصول ہی حقیقی امن وامان کی جدوجہد کے ذریعہ ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر حقیقی ودائمی سکون کے لیے انسانی زندگی کا فرضِ اولین اور زندگی کی تگ ودو کا محور ومرکز ہی دنیائے انسانیت کے حقیقی امن وامان کا حصول قرار پاتا ہے۔

کیا اس کے علاوہ سکونِ قلب کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی اس سے بہتر ہو سکتا ہے؟

(ختم شد)

اسلام کا نظامِ حکومت

مؤلف: مولانا حامد الانصاری غازی

اس کتاب میں اسلام کی ریاست عامہ کا مکمل دستور اساسی اور مستند ضابطۂ حکومت پیش کیا گیا ہے۔ یہ عظیم الشان تالیف اسلام کا نظامِ حکومت ہی نہیں پیش کرتی بلکہ نظریۂ سیاست وسلطنت کو بھی منظرِ عام پر لاتی ہے۔ طرزِ تحریر زمانۂ حال کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

بڑی تقطیع قیمت -/۲۲ روپے مجلد اعلیٰ کوالٹی -/۳۰ روپے

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۶